کاش!

مجھے کسی نے بتایا ہوتا!

کاش!
مجھے کسی نے بتایا ہوتا!

کملا بھسین

ترجمہ: شمع پاشا

جملہ حقوق بنام شرکت گاہ محفوظ ہیں 2019ء

ناشر: شرکت گاہ ویمنز ریسورس سینٹر، لاہور

سرورق ڈیزائن: حسنین جلیل

ڈیزائن لے آؤٹ: بلال صدیق

ایڈیٹر: گلنار تبسم

پرنٹر: سانجھ پبلیکیشن

شرکت گاہ لاہور۔ پی او بکس نمبر 5192 لاہور

تعارف

کچھ لوگ بشمول خواتین کا یہ خیال ہے کہ آج ہمیں فیمینزم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آج خواتین کو برابری کے حقوق مل چکے ہیں۔ شاید کسی حد تک انکی یہ بات درست ہو کیونکہ آج ہم عورتوں کو زندگی کے ہر شعبے میں متحرک دیکھتے ہیں۔

ریاستی سطح پر عورتوں کی حمایت اور تحفظ کیلئے کئی قوانین اور پالیسیاں بھی بن چکی ہیں۔ آئین عورتوں کے برابری کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دن بدن عورتوں کے خلاف دنیا بھر میں سماجی، معاشی اور صنفی تشدد نہ صرف برقرار ہے بلکہ زیادہ مکروہ شکل میں ظہور پذیر ہو رہا ہے۔

کملا بھسین، ساؤتھ ایشاء کی Feminists میں ایک نمایاں نام ہے جو کہ پچھلی پانچ دہائیوں سے عورتوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک اور اسکی معاشرتی، معاشی، نفسیاتی ڈھانچے میں موجود صنفی تعصب اور استحصال پر مبنی رویوں پر تسلسل سے لکھ رہی ہیں۔

کملا بھسین نے صنف، پدرشاہی اور تانیثیت جیسے دقیق موضوعات کو کتابچوں کی صورت میں بالکل عام فہم انداز میں لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتابچے نہ صرف علمی سطح پر ان موضوعات پر روشنی ڈالتے ہیں بلکہ عوامی سطح پر اُٹھائے جانے والے سوالوں کا جواب بھی دیتے ہیں۔

کیونکہ عورتوں کی صورت حال پورے ساؤتھ ایشیاء میں ملتی جلتی ہے لہٰذا صنف، پدرشاہی اور تانیثیت کے حوالے سے اُٹھائے جانے والے سوالات اور غلط فہمیاں بھی پورے ساؤتھ ایشیاء میں یکساں ہیں۔

اس صورتحال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شرکت گاہ نے ان کتابچوں کو اُردو میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تاکہ پاکستان میں لوگوں کی آگاہی کیلئے اِن موضوعات پر مواد فراہم کیا جا سکے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ اِن کتابچوں کی اشاعت سے خواتین، نوجوان لڑکیاں/لڑکے اور مرد حضرات بھی اِن سے استفادہ اُٹھا سکیں گے۔

ادارہ

شرکت گاہ

عمر میں اپنے سے بڑے بہت سے لوگوں کو تم جانتے اور ملتے ہو۔ جیسے تمہارے ماما، مامی، چچا، چچی، پھوپھی، خالہ یا تمہاری ماں اور والد کی سہیلیاں اور دوست، تمہارے پڑوسی، اُستاد وغیرہ۔

بتاؤ، کیا عمر میں اپنے سے بڑے (جنہیں ہم بزرگ بھی کہہ سکتے ہیں) سب لوگ تمہیں اچھے لگتے ہیں؟

کیا تم اُن سب سے مل کر خوش ہوتے ہو/ ہوتی ہو؟ ذرا سوچو اور پھر بتاؤ۔

جب تک تم سوچتے ہو، میں تمہیں اپنے بچپن کے کچھ تجربات بتاتی ہوں۔

سچ کہوں تو..... جب میں چھوٹی تھی، تب مجھے سب بزرگ اچھے نہیں لگتے تھے۔ کچھ ہی بزرگ تھے جو مجھے سچ میں اچھے لگتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مجھ سے پیار اور عزت سے پیش آتے تھے۔ عزت سے پیش آنے سے میرا مطلب ہے، وہ مجھے بدھو نہیں سمجھتے تھے۔ وہ مجھ سے یوں بات کرتے جیسے میں بھی سمجھدار ہوں، عقل کی بات کر سکتی ہوں۔ جب میں بات کرتی تھی، وہ توجہ سے سنتے تھے۔ وہ مجھے چھوتے بھی پیار اور احترام سے تھے۔ یعنی وہ زور سے میرے گال نہیں نوچتے تھے۔ زبردستی مجھے اپنی طرف نہیں کھینچتے تھے۔ ان کا چھونا مجھے اچھا لگتا تھا۔ ان کے لمس سے مجھے تحفظ کا احساس ملتا تھا۔ حالانکہ میں چھوٹی تھی، وہ مجھے ایک شخص سمجھتے تھے۔ آج بھی ایسے بزرگوں کو یاد کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ لیکن، کچھ اور بزرگ تھے جو مجھے نہیں بھاتے تھے، کیونکہ وہ گڑبڑ کرتے تھے۔ مثلاً وہ زور سے میرے گال کھینچ کر اپنا پیار جتاتے تھے۔ میرے گال لال ہو جاتے تھے اور مجھے درد ہوتا تھا۔

ایسا پیار مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا تھا اور نہ ہی اس طرح پیار کرنے والے مجھے اچھے لگتے تھے۔ میں سوچتی تھی، کیسے عجیب لوگ ہیں۔ انہیں یہ بھی نہیں پتہ کہ زور سے گال کھینچنے سے بچوں کو درد ہوتا ہے۔

سچ کہوں تو کبھی کبھی میرا دل کرتا تھا کہ میں بھی ''پیار'' سے ایسے لوگوں کے گال نوچوں۔ شاید تب انہیں پتہ لگتا کہ ہم بچوں کو ان کی حرکتیں کیسی لگتی ہیں۔

لیکن میرے بچپن میں کچھ لوگ تھے، جو شروع میں مجھے بہت پسند تھے، لیکن بعد میں میں ان سے ڈرنے لگی تھی اور ان سے دور رہنے کی کوشش کرتی تھی، کیونکہ انہوں نے میرے جسم کو غلط اور بُرے ڈھنگ سے چھوا تھا۔

یہ لوگ میرے جیسے چھوٹے بچوں کا دل جیتنا جانتے تھے۔ وہ میری پسند ناپسند سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ میرے نزدیک آنے پر اور میرا یقین جیتنے کے بعد انہی لوگوں نے مجھے کئی بار جس طرح چھوا اور چوما، اس سے میں بوکھلا سی گئی۔ سب کچھ ٹھیک سے سمجھ بھی نہ سکی۔ اُن کی حرکت نہیں سمجھی، ٹھیک سے اپنا ردعمل بھی نہیں سمجھی، لیکن نہ جانے کیوں اور کیسے میں جانتی تھی کہ تنہائی میں ان کے ذریعہ لمس لینا ٹھیک نہیں تھا۔ غلط تھا، گندا تھا، اسی لیے تو وہ مجھے تنہائی میں ہی اس طرح چھوتے تھے، سب کے سامنے نہیں۔

یہ تمام لوگ مجھ سے بہت بڑے تھے۔ کئی تو 60-50 سال کے تھے۔ یہ سب یا تو رشتے دار تھے، یا کنبے کے دوست یا اُستاد یا میری سہیلیوں کے والد، بھائی۔ ان سب کو میرے گھر والے اچھی طرح جانتے تھے۔ میری طرح میرے کنبے کے لوگ بھی ان لوگوں کو پسند کرتے تھے اور ان کی عزت کرتے تھے۔ انہی وجوہات کی بنا پر مجھے ان لوگوں پر یقین سا تھا۔ پہلے ان کے آس پاس رہنا، ان سے باتیں کرنا، ان کی گود میں بیٹھنا مجھے اچھا تو لگتا ہی تھا، میں ان کے پاس محفوظ بھی محسوس کرتی تھی۔

مجھے یاد ہے، میرے بڑے بھیا کے ایک دوست، جو مجھے اچھے لگتے تھے، لیکن اکیلے میں موقع پا کر وہ مجھے ہونٹوں پر چومتے۔ ان کا اس طرح چومنا مجھے برا اور غلط لگتا تھا۔

والد صاحب کے ایک دوست مجھے پیار کرتے تھے۔ کئی بار مجھے بھینچ کر سینے سے لگاتے تھے۔ تنہائی میں عجیب طرح سے میرے جسم کو اپنے جسم کے ساتھ لگاتے، زور سے چومتے۔ ان کا اس طرح چھونا مجھے برا لگتا تھا۔ میں ان سے دور دور رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ مجھے اچھے لگتے تھے، لیکن ان کی ایسی حرکتوں سے میں ڈرنے لگی۔

مجھے انگلش پڑھانے ایک 75-70 سال کے اُستاد گھر آنے لگے۔ تنہائی میں پڑھاتے تھے۔ اکثر وہ مجھے اپنے بہت قریب بیٹھا کر ہونٹوں پر چومنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس وقت ان کا چہرا عجیب سا ہو جاتا تھا۔ میں نے والد صاحب سے کئی بار کہا کہ مجھے اُن سے نہیں پڑھنا، لیکن والد صاحب کہہ دیتے۔ ''نہیں، نہیں، یہ تو بہت اچھے ٹیچر ہیں۔ پیسے بھی نہیں لیتے''۔ میری قسمت اچھی کچھ دن بعد وہ بیمار پڑ گئے اور ان کا مجھے پڑھانا بند ہو گیا۔ میں نے چین کی سانس لی۔

ایک دور کے رشتہ دار تھے، جو کبھی کبھی ایک دو دن کے لیے ہمارے گھر آتے تھے۔ مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ مجھے بھی وہ اچھے لگتے تھے۔ ان کے گھر آتے ہی میں ان کے چاروں طرف منڈلانے لگتی تھی۔ وہ بھی مجھے لیے لیے گھومتے۔ ہماری اچھی دوستی تھی۔ ایک دن انھوں نے مجھے اپنی گود میں بیٹھا رکھا تھا اور میرے ساتھ کتاب پڑھ رہے تھے۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ انہوں نے اپنی انگلی میری پینٹی میں ڈال دی۔

میں ایک دم اچھل کر ان کی گود سے کودی اور بھاگ گئی۔ عجیب سا ڈر اور بوکھلاہٹ رہی میرے من میں۔ ان کی اس حرکت نے مجھے بہت دکھ پہنچایا۔ کہاں تو وہ مجھے اتنے اچھے لگتے تھے اور کہاں ان کی یہ حرکتیں؟ کیا اسی لیے پیار کرتے تھے وہ مجھے؟ اب میں ان کے پاس کبھی، نہ جاؤں؟ وہ تو مجھے پہلے جیسے ہی بلاتے تھے، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، پر میں اب ڈرتی تھی۔ میرے ذہن میں کئی سوال منڈلاتے تھے۔ جو شخص مجھے اچھا لگتا ہے، اسی نے میرے ساتھ یہ غلط سلوک کیسے اور کیوں کیا؟ ان پر شک کرنا یا ان کی شکایت کرنا بھی مجھے شاید اچھا نہیں لگا۔ یہ باتیں اتنی پرانی ہیں کہ اب میں اپنی اس وقت کی بوکھلاہٹ کو ٹھیک سے یاد بھی نہیں کر پا رہی ہوں۔ میری ایک سہیلی تھی سیما۔ ہم دونوں اپنی ایک سہیلی کے گھر کھیلنے جاتے تھے۔ اس کا بھائی بھی وہاں آجاتا تھا۔ ہم سب کو ٹافیاں دیتا۔ وہ سیما کو گود میں بیٹھا لیتا۔ ہم لوگ کھیلتے رہتے۔ ایک دن سیما نے مجھے بتایا کہ وہ اسے گود میں بیٹھا کر اپنا عضو تناسل اس کے جسم کے ساتھ رگڑتا ہے۔ اس کے بعد ہم ڈر گئے۔ پھر کبھی وہاں کھیلنے نہیں گئے۔

میری ایک اور اچھی سہیلی تھی۔ وہ میرے گھر آتی، میں اس کے گھر جاتی۔ گھنٹوں ہم ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے تھے۔ میری سہیلی کے والد صاحب کبھی کبھی ہمارے ساتھ کھیلتے تھے وہ مجھ سے خوب باتیں کرتے۔ میں سوچتی تھی۔ وہ میرے والد سے کتنے مختلف اور اچھے ہیں، لیکن ایک دن انہوں نے بھی مجھے غلط ڈھنگ سے چھوا۔ اس بار تو مجھے بے حد پریشانی اور دکھ ہوا۔ چنانچہ مجھے اپنی دوست کے گھر جانا چھوڑنا پڑا۔ میں سوچتی تھی، کیا تمام مرد جو مجھے اچھے لگتے ہیں، لڑکیوں کے ساتھ یہی کچھ کرتے ہیں؟ اُن سے یہی چاہتے ہیں؟

اس حادثے کے بعد میرے دل میں اکثر یہ سوال اٹھتا تھا کہ کیا میری سہیلی کے والد اپنی بیٹی کو بھی غلط ڈھنگ سے چھوتے ہوں گے؟ اگر ہاں، تو وہ کیسے اپنے والد سے بچے گی؟ میں نے تو اس کے گھر جانا چھوڑ دیا، لیکن اپنے والد سے بچنے کے لیے میری سہیلی کہاں جائے گی؟ یہ سوچتے سوچتے میں ڈر سے کانپ اٹھتی تھی۔ من میں پھر وہی الجھن، وہی بوکھلاہٹ ہوتی تھی۔

ان تمام تجربات کا سامنا مجھے پانچ سے دس برس کی عمر کے دوران ہوا۔ میں بچی تھی پر جانتی تھی کہ یہ لمس گندے اور غلط تھے۔ اس طرح چھونے والے لوگ بھی ٹھیک نہیں تھے۔ وہ چھوٹی لڑکیوں کا غلط استعمال کر رہے تھے۔ میرے من میں یہ سوال اٹھتا تھا کہ اچھے لگنے والے لوگ غلط کام کیسے اور کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ مجھے تو اب اچھے اور برے کا فرق ہی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

جب میں بڑی ہوئی تو مجھے پتہ چلا کہ اس طرح کا جنسی استحصال صرف لڑکیوں کے ساتھ ہی نہیں ہوتا۔ کچھ مرد، لڑکوں کا بھی جنسی استحصال کرتے ہیں۔ انہیں بھی استعمال کرتے ہیں۔

بچوں کا جنسی استحصال کرنے والے ان رشتے داروں، خاندان کے دوستوں، استادوں کو دیکھ کر مجھے ایسا لگتا تھا جیسے کوئی خونخوار جانور بھولی بھالی گائے کا مکھوٹا لگا کر آ گیا ہو۔ گھر کے دوسرے لوگ ان کے اصلی چہرے نہیں دیکھ پاتے تھے۔ وہ انہیں ابھی بھی نیک سمجھتے تھے، لیکن میں ان کے اصلی چہرے دیکھ چکی تھی۔ میرے اندر بوکھلاہٹ تھی۔

مجھے ٹھیک سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اپنی بات کسی کو بتا بھی نہیں پاتی تھی۔ گھر میں ماں باپ کو کیا بتاؤں، کیسے سمجھاؤں، سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اپنے تجربے بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ بھی تو نہیں تھے۔ کن لفظوں میں بتاتی؟ کیا کہتی؟ ایسے لوگوں سے میں صرف ڈرتی رہی اور ان سے بچنے کی کوشش کرتی رہی۔ کئی برس مجھے ان مکھوٹوں والے، خراب لوگوں پر بہت غصہ آتا رہا۔ میں اکثر من ہی من میں ان سے بدلہ لینے کی ترکیبیں سوچتی رہی۔ انہیں سزا دلوانے کے منصوبے بھی بناتی رہی۔ جب میں بڑی ہوئی تب بھی کئی مردوں نے مجھ سے چھیڑ خانی کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے، کیونکہ اب میں زیادہ ہوشیار تھی۔ میں سوچتی ہوں، شاید میری قسمت اچھی تھی کہ میں اتنی بار بچ گئی۔ مجھے زیادہ جسمانی نقصان نہیں پہنچا لیکن ذہنی پریشانی نے ضرور نقصان پہنچایا۔ آج میں جانتی ہوں کہ گھروں کے اندر لڑکیوں کے ساتھ زنا بالجبر تک ہو جاتا ہے اور زنا بالجبر کرنے والے رشتے دار، ماں باپ کے دوست، پڑوسی یا استاد ہوتے ہیں۔ کئی بار تو خود باپ اپنی بیٹی کا زنا بالجبر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ان سب تلخ تجربوں کی وجہ سے میرے من میں ایک ڈر سا بیٹھ گیا۔ آج میں سمجھتی ہوں کہ یہ ڈر اور شک میرے دل و دماغ کے لیے اچھا نہیں تھا۔ ہر ڈر اور شک، بچوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ خاص طور پر تب، جب بچے اپنے تلخ تجربات اور ڈر کے بارے میں کسی سے بات نہیں کر پاتے۔

آج مجھے سب سے زیادہ دُکھ اس بات کا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں کسی سے بات نہیں کر پائی۔ اپنے تلخ تجربات کے بارے میں کسی کو اپنا ہمراز نہیں بنا پائی۔ اپنے کنبے میں اور نہ ہی کسی دوست، استاد یا رشتے دار کو۔

میں اکثر اپنے آپ سے پوچھتی ہوں کہ میں کیوں خاموش رہی؟ کیوں میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا؟ کیا اس لیے چپ رہی کیونکہ اس طرح کے تجربات کے بارے میں میرے اپنے خیالات صاف نہیں تھے؟ یا اس جنسی استحصال کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں تھے؟ یا میں ان لوگوں کے بارے میں شکایت نہیں کرنا چاہتی تھی جو مجھے اچھے بھی لگتے تھے؟ کیا مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ ماں باپ یا میرے بھائی بہن میری بات نہیں مانیں گے؟ مجھ پر اعتبار نہیں کریں گے؟ اُلٹا مجھے ہی ڈانٹیں گے؟ ایک بچے کی بات پر کون اعتبار کرے گا؟ جن پر میں الزام لگاتی وہ طاقتور تھے اور دوسروں کی نظروں میں وہ نیک تھے۔ ایک بچی کی بات

مان کر، کیا کوئی ان پر الزام لگانے کی ہمت کرتا؟ آج میں سوچتی ہوں کہ کیا تب میرے چھوٹے سے دماغ میں یہ سب باتیں آتی تھیں؟ یا کیا میں اس لیے خاموش رہی کیونکہ مجھے ایسا لگا کہ شاید میں ہی قصوروار ہوں، مجھ میں ہی کچھ غلطی ہے، کچھ کمی ہے؟ یا شاید میں اس لیے نہیں بولی کیونکہ مجھے سکھایا گیا تھا کہ ایسی باتیں بتانا، ان پر بات کرنا غلط ہے؟ اچھے بچے ایسی باتیں نہیں کرتے؟ مجھے آج بھی نہیں معلوم میں کیوں خاموش رہی؟ کیوں ایک ننھی سی جان ان تجربوں پر برسوں پردہ ڈالے رہی؟ اپنے چھوٹے سے دل اور دماغ میں خاموشی کا اتنا بڑا بوجھ لیے گھومتی رہی؟

کیوں؟؟؟

میرے من میں ایک اور درد بھرا سوال آتا ہے۔ میں تو چھوٹی تھی، انجان تھی، ڈر کر یا بوکھلاہٹ میں خاموش رہی۔ لیکن میری ماں، والد، بڑے بھائی، بہن کیوں خاموش رہے؟ انہوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ کچھ لوگ چھوٹی لڑکیوں اور لڑکوں کو غلط ڈھنگ سے چھوتے ہیں، ان کا استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے مجھے اچھے اور خطرناک لمس کے فرق کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟

وہ سب تو بڑے تھے۔ مجھ جیسے بچے نہیں تھے۔ انہیں تو ان باتوں کا پتہ رہا ہوگا۔ پھر انہوں نے مجھے سمجھایا کیوں نہیں؟ مجھے خبردار کیوں نہیں کیا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ بزرگوں کو یہ پتہ نہ ہو کہ بچوں کا جنسی استحصال ہوتا ہے؟

میرے گھر والے مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ اس کے باوجود انہیں میرے تجربات کا اور میرے ڈر اور بوکھلاہٹ کا اندازہ کیوں نہیں ہوا؟

آج میں یہ بھی سوچتی ہوں کہ میری ماں، والد صاحب، بڑی بہن، بڑے بھائیوں، میرے استادوں، دوستوں میں سے کسی نے بھی میرے اندر ایسا اعتبار کیوں نہیں جگایا کہ میں ہر بات ان سے کر سکتی ہوں۔ مجھے ان سے کچھ بھی چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے ایسا کیوں نہیں لگا کہ میری بات پر اعتبار کیا جائے گا۔ میری الجھنیں سلجھ جائیں گی؟ کنبے کے اندر یہ دوریاں کیوں تھیں؟ کیوں ہم ایک دوسرے کے لیے انجان تھے؟ کیا سب کنبوں میں اتنی دوریاں اور خاموشیاں ہوتی ہیں؟

ہمت کر کے ایک بار میں نے اپنی سہیلی سے بات کی تو اس نے بتایا..... بچپن میں میرے والد کے ایک دوست گھر آیا کرتے تھے۔ پڑوسی تھے۔ وہ اکثر ہم بچوں کو گھومانے لے جاتے۔ ایک دن وہ ہمیں ایک سنسان بلڈنگ میں لے گئے۔ انہوں نے تمام بچوں کو کھانے کے لیے ٹافیاں دیں۔ مجھے اپنی گود میں بیٹھا کر وہ لگاتار اپنا عضو تناسل میری کمر کے نچلے حصے پر رگڑ رہے تھے۔ مجھے بہت عجیب اور گندا لگ رہا تھا۔ میں اٹھنے کی کوشش کر

رہی تھی، لیکن وہ مجھے جکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں زور سے چیخ کر الگ ہوگئی اور رونے لگی۔ ہم سب بچے بھاگ کر گھر آ گئے۔ میں نے اپنی ماں کو یہ بات بتائی۔ انہوں نے والد صاحب کو بتایا۔ والد صاحب نے کالونی کے لوگوں کی مدد سے اس شخص کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

یہ سن کر مجھے لگا، کاش میں بھی اپنے گھر والوں کو سب کچھ بتا پاتی۔ اگر میرے گھر والے مجھ سے ہر بات کھل کر کرنے، مجھے میرے جسم اور سیکس کے بارے میں بتاتے، تو میں خبردار رہ سکتی تھی۔ غلط لمس اور غلط لوگوں کو پہچان سکتی تھی، ان کا بہتر مقابلہ کر سکتی تھی۔

تب میں بھی غلط ڈھنگ سے چھونے والوں کے بارے میں گھر والوں کو بتا سکتی تھی۔ شاید تب ماں اور والد صاحب ان لوگوں سے بات کر پاتے، انہیں ڈانٹتے یا ان کا ہمارے گھر آنا روک دیتے۔ ان کے خلاف کچھ تو کیا جا سکتا تھا۔

ہوسکتا ہے وہ لوگ دوسرے بچوں کو بھی غلط ڈھنگ سے چھوتے رہے ہوں۔ دوسروں کا بھی جنسی استحصال کرتے رہے ہوں۔ انہیں ستاتے ہوں۔ وہ بچے بھی شاید میری طرح خاموش رہے ہوں۔ ہماری خاموشی نے کتنوں کا نقصان کیا۔ قصورواروں کو آزاد چھوڑ دیا۔ انہیں سزا ہوئی نہ اپنے قصور کے لیے کبھی معافی مانگنی پڑی۔ ہوسکتا ہے میرے بات کرنے سے کچھ ہوتا نہیں، لیکن کم از کم میری خاموشی تو ٹوٹتی۔ بات کرنا تو شروع ہوتا۔

اگر مجھ سے میرے کنبے اور اسکول والوں نے ٹھیک سے سب پوچھا اور بتایا ہوتا تو میں اتنے برسوں تک تنہا اپنے راز لیے نہ گھومتی۔ برسوں تک پریشانی، ڈر اور غصہ میرے اندر نہ پلتا۔ یہ اتنا بڑا بوجھ میرے دل اور دماغ سے اتر سکتا تھا۔

اچھا چھوڑو اب میری باتیں۔ اپنے بارے میں میں نے بہت کچھ کہہ دیا۔ اب تم بتاؤ کیا تمہیں کبھی محسوس ہوا کہ کوئی تمہیں غلط ڈھنگ سے دیکھ اور چھو رہا ہے۔ اگر ہاں، تو تم نے کیا کیا؟

کیا تم بھی میری طرح چپ رہیں/رہے؟ یا تم نے کسی سے بات کی؟

کیا تم اپنے کنبے میں یا اپنے کسی رشتے دار، استاد یا کسی دوست کو سب کچھ بتا سکتی/سکتے ہو؟ کیا تمہارے گھر والوں یا استادوں نے تمہیں ہر بات کرنے کا حوصلہ دیا ہے؟

اگر اپنے جسم اور سیکس کے بارے میں تمہارے من میں کوئی سوال آتا ہے تو کیا تم کسی سے پوچھ سکتی/سکتے ہو؟ کس سے؟ یا تمہیں یوں لگتا ہے کہ سیکس گندی چیز ہے اور اس کے بارے میں کسی سے بھی بات نہیں کرنی چاہیے، نہ گھر میں، نہ اسکول میں؟ کیا تمہارے گھر والوں نے تمہارے بڑھتے، بدلتے جسم اور سیکس کے

بارے میں بات کرنے کی پہل کی؟ یا تمہیں کوئی کتاب دی جسے پڑھ کر تم سمجھ سکے / سکیں؟

یا چالیس سال پہلے میرے کنبے میں سیکس کے بارے میں جیسی خاموشی تھی ویسی خاموشی تمہارے کنبے میں آج بھی ہے؟

آج، جب میں بڑی ہوگئی ہوں، میں تو یہ مانتی ہوں کہ کنبوں میں دوستانہ ماحول ہونا چاہیے۔ ڈر کا خاموشی کا ماحول نہیں ہونا چاہیے۔ بچوں کو ایسا محسوس کروانا چاہیے کہ وہ بنا ڈرے کچھ بھی پوچھ سکتے ہیں، اپنے من کا ڈر اور الجھنیں بتا سکتے ہیں۔ بچوں کے من میں یہ یقین جگانا چاہیے کہ ان کے سوالات، احساسات، الجھنوں، اور ڈر کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔ انہیں بچہ سمجھ کر، ڈانٹ ڈپٹ کر بٹھا نہیں دیا جائے گا۔ بچوں کی شخصیت اور ان کے خیالات کی عزت کرنا ضروری ہے۔ کھلے اور جمہوری ماحول میں بچوں کو اچھی نشوونما ہوتی ہے، نہ کہ دباؤ اور ڈر کے ماحول میں۔

میں آج دو بچوں کی ماں ہوں اور میں یہ بھی مانتی ہوں کہ تمام موضوعات پر کھل کر بات کرنا ضروری ہے۔ کوئی بھی موضوع گندا نہیں ہے سیکس بھی نہیں۔ ہاں سیکس کے بارے میں کچھ لوگوں کے خیالات گندے ہو سکتے ہیں۔ لیکن سیکس گندا یا خراب نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے، ہمارے کنبے والے، کنبے کے دوست یا ہمارے استاد، بہت آسانی سے ہمیں سمجھا سکتے ہیں۔ وہ ہمیں بتا سکتے ہیں کس طرح کے لمس ٹھیک ہیں، کس طرح کے غلط۔ وہ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ کچھ لوگ بچوں کا جنسی استحصال کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ بچوں کو سیکس کے بارے میں جانکاری دینے سے ان کے دماغ پر غلط اثر پڑتا ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم صحیح طریقے سے بچوں کو اُن کے جسم اور سیکس کے بارے میں جانکاری دیں تو وہ خود کو بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ بغیر جانکاری کے جو غلط خیالات یا تصورات بچوں کے من میں پیدا ہوتے ہیں وہ ختم ہو سکتے ہیں۔ جسم اور سیکس کے بارے میں بات کرنے سے ڈر کم یا ختم ہوتے ہیں، بڑھتے نہیں ہیں اور یہ غلط تصور بھی ختم ہو جاتا ہے کہ سیکس کے متعلق بات کرنا غلط یا نقصان پہنچانے والا ہے، اگر سیکس زندگی کا ایک حصہ ہے تو اس پر بات کرنا کیسے غلط ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بچوں کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیے جن سے ان کے من میں کسی بھی طرح کی تشویش یا ڈر بیٹھے۔

لیکن میں سمجھتی ہوں کہ بچوں کو اگر صحیح ڈھنگ سے جانکاری دی جائے گی تب ان کے من میں اندیشہ یا ڈر بیٹھنے کی جگہ ڈر بھاگ کھڑا ہوگا۔ بات کرنے سے بچوں کی ہمت بڑھتی ہے اور بزرگوں کے ساتھ ان کے دوستانہ رشتے بنتے ہیں۔ بچے زیادہ بیدار بھی ہوتے ہیں۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی لڑکی کے ساتھ کچھ غلط ہوتا ہے تو ہمیں خاموش رہنا چاہیے۔ اس

بارے میں دوسروں کو بتانے سے یا اس پر بات کرنے سے لڑکیوں کی بدنامی ہوتی ہے۔

لیکن میرا خیال ہے کہ بات کرنے سے لڑکی کی بدنامی نہیں ہوتی یا نہیں ہونی چاہیے۔ بدنامی تو ان کی ہونی چاہیے جو لڑکیوں اور بچوں کے ساتھ غلط سلوک کرتے ہیں۔ ایسے لوگ مجرم ہیں اور ہمیں ان کے جرم کا خلاصہ کرنا چاہیے۔ خاموش رہ کر ہم اپنے بچوں کے لیے خطرے بڑھا دیتے ہیں۔

تم بتاؤ، تمہارا کیا خیال ہے؟ کھل کر بات چیت ہونی چاہیے یا نہیں؟ ہمارا خیال ہے کہ اگر تمہارے من میں کوئی سوال ہے یا کوئی ڈر ہے۔ تب تو ضرور بات کرنی چاہیے..... کسی سے بھی..... جس پر تمہیں بھروسہ ہو..... جو تمہیں اچھی لگتی / لگتا ہو۔ یہ شخص کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ ماں، باپ، بھائی، بہن، کوئی اور رشتے دار، دوست یا اُستاد۔

بات چیت کرنے سے سمجھ اور اعتماد بڑھتا ہے اور ڈر کم ہو جاتا ہے۔ من کی گانٹھیں کھل سی جاتی ہیں۔

جیسے کھڑکی، دروازے کھولنے سے بند کمرے میں روشنی، ہوا اور تازگی آتی ہے اسی طرح بند من اور دماغ کو کھولنے سے تازگی آتی ہے، ہمت آتی ہے۔

کسی سے من کی بات کرنے سے دوست بھی بنتے ہیں۔ بزرگ بھی بچوں کے دوست بن سکتے ہیں۔

اگر تم اپنی بات کسی سے کرو گے تو وہ بھی شاید تمہارے سامنے اپنا من کھولے۔ ہوسکتا ہے وہ بھی کسی سے بات کرنا چاہتے ہوں، انہیں بھی دوست اور دوستی کی تلاش ہو۔

بولو کیا خیال ہے؟

☆.....☆.....☆

شرکت گاه
Shirkat Gah
Women's Resource Centre